# خلافت عثمانیہ میں مسلم سیاسی فکر کا ارتقاء

## Development of Muslim Political Thought in the Ottoman Caliphate

ڈاکٹر سید ذاکر شاہ[1]

ڈاکٹر ثمر سلطانہ[2]

سید عامر علی[3]

Abstract

The Ottoman Caliphate (from 1299 to 1924) was a great Muslim empire. At its height (16th-17th centuries), the empire spanned three continents and covered much of Southeast Europe, the Middle East, and North Africa. The borders of this great empire extended from the Straits of Gibraltar in the West, the Caspian Sea and the Persian Gulf in the East, and the borders of Austria, Slovakia and Crimea (now Ukraine) in Europe, in the North to Sudan, Somalia and Yemen in the south. Apart from the vassal territories of Moldavia, Transylvania and Wallachia, it had 29 provinces. The Ottoman Caliphate or the Ottoman Empire was not much different from its predecessors, the Umayyad and Abbasid kingdoms, and the study of its history tells us the law of the rise and fall of nations is the same for all. The empire called the Ottoman Caliphate was originally a monarchy in which the element of Islam grew and diminished according to the intentions of the rulers. The Muslim political thought in the Ottoman period is dominated by the thought of two great Personalities, Muhammad bin Abdul Wahab (born: 1703 - died: 21 May 1792) and Mustafa Kamal Pasha (born: 1881 - died: 10 November 1938), who both are diametrically opposed to each other.

Keywords: Islam, Political Thought, Arabia, Turkiye

[1] Lecturer, Government National College
[2] Political Science Department, Karachi University
[3] Lecturer, Bibi Asifa College

## سلطنتِ عثمانیہ کا قیام۔

خلافتِ بنو عباس کے خاتمے کے وقت 1258ء، بمطابق 656ھ، ارطغرل کے ہاں ایک بچے کی پیدائش ہوئی، جس کا نام عثمان رکھا گیا۔ سلطنتِ عثمانیہ ان کے نام سے منسوب ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا تھا اور مسلمانوں کا قتلِ عام کیا تھا۔ ایک طرف مسلمانوں کا زوال ہو چکا تھا، اور خلافتِ بنو عبّاس کی اینٹ سے اینٹ بج چکی تھی۔ عین اسی وقت ایک دوسری مسلمان قوّت ابھر رہی تھی اور وہ تھی سلطنتِ عثمانیہ۔ ارطغرل کی وفات کے بعد ان کا بیٹا عثمان ان کا جانشین ہوا، اور اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سلجوقی سلطنت کی سرحدیں ملکِ روم تک پھیلا دیں۔ جب سلجوقی سلطنت زوال پزیر ہو گئی اور اناطولیہ میں انارکی پھیل گئی تو 1299ء میں عثمان بن ارطغرل نے بھی آزاد ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ عثمان اوّل نہایت اعلیٰ درجے کی قیادت و سیادت کی صفّات کا حامل تھے۔ ان کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ کہ وہ زاہد بھی تھے اور مجاہد بھی۔ اسلامی شریعت کی خود پابندی کرتے تھے اور اسلامی عدل قسط کا نظام بھی قائم کیا ہوا تھا۔ نفاذ اسلام اور اشاعت اسلام کے لئے عیسائیوں سے جہاد و قتال میں بھی زندگی بھر مصروفِ کار رہے۔[i]

یہی وجہ تھی کہ ان کی وفات کے بعد سلطنت عثمانیہ بحیرہ روم اور بلقان تک پھیل گئی۔ خلافت عثمانیہ میں عجمی رنگ نمایاں ہے۔ جبکہ خلافت بنو امیہ میں خالص عربی رنگ ہمیں پوری اسلامی ریاست میں نظر آتا ہے۔ بنو عبّاس کے دور سے عجمی عمل دخل امور ریاست میں بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ جہاں تک خلافت راشدہ کی شان کا تعلق ہے خلافت عثمانیہ میں اسے تلاش کرنا حماقت سے کچھ کم نہیں۔ لیکن بہت ساری حقیقتیں ایسی ہیں کہ جس سے مسلمانوں کی شان میں اضافہ ہوا ہے۔ بنو عباس کی حکومت کے سقوط کے بعد سلطنتِ عثمانیہ ہی کے سائے میں مسلمان متحد ہوئے اور اسلام کا علم تین بر اعظموں میں سر بلند رہا اور یہود و نصاریٰ کے خلاف جہاد جاری رکھا گیا پھر یہ نظارا بھی چشمِ فلک نے دیکھا کہ 1299ء میں قائم ہونے والی یہ عظیم الشان سلطنت آخر کار 1924ء میں ختم ہو گئی۔

## نظریہء خلافت کا منظر و پس منظر۔

ترکوں کا نظریہء خلافت کیا تھا؟ جیسا کہ معلوم ہے کہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں سیاست دین سے جدا نہ تھی۔ پہلے چار خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے شریعتِ اسلامی کے عین مطابق حکومت کی۔ یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ انہوں نے تمام شرائط خلافت کو صحیح معنوں میں پورا کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہد میں وہ سیاسی نظام ختم ہو گیا، جس کی بنیاد شوریٰ پر قائم تھی۔ اس کی جگہ موروثی نظام نے لے لی۔ جس کے سامنے سیاسی مصلحتیں دینی ضروریات پر غالب آ گئیں۔ ان کے جانشیں مسلمانوں پر اس طرز پر مسند حکومت پر براجمان ہوتے رہے۔ یہی روایت بنو عبّاس کے عہدِ حکومت میں بھی رائج رہی۔ اگرچہ خلافت کی جگہ ملوکیت لے چکی تھی لیکن خلیفہ وقت کی بیعت کا سلسلہ برقرار رکھا گیا۔ اور ان کا لقب بھی خلیفہ برقرار رکھا گیا۔ در حقیقت وہ خلافت کے در پردہ بادشاہت کرتے رہے۔[ii]

لیکن خلافت ملوکیت کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق رسالتِ مآب کے وصال کے بعد خلافت تیس برس تک قائم رہی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ سے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ تک تیس سال پورے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد بادشاہت کا عہد شروع ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات مسلمانوں کے قلب واذہان پر کندہ ہو چکی ہوتی ہے کہ نظامِ خلافت اسلامی، اصلاح عالم کی تصحیح کے لئے از حد ضروری ہے۔ جس میں مرکزی کردار خلیفہ کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی عبّاس کے حکمرانوں کو بھی رسول اللہ کا جانشین سمجھا جاتا تھا، اور ان کے لئے خلیفہ کا لقب اختیار کیا گیا۔ عوام اور خواص ہر دو کے لئے ان کی حیثیت مسلم تھی۔ بڑے بڑے سلاطین ، عبّاسی خلفاء سے خطابات لینا اپنے لئے باعثِ اعزاز سمجھتے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان شمس الدین التمش نے بھی عبّاسی خلفاء سے سند حکمرانی حاصل کی تھی۔ چوتھی صدی ہجری میں آخری خلیفہء عبّاسی کا اقتدار برائے نام رہ گیا، اور ترک افواج کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا۔ تو خود مختار حکومتیں وجود میں آنا شروع ہو گئیں۔ ایران میں آلِ بویہ، موصل میں بنو حمدان، محمد بن طغج اخشید کی حکومت مصر و شام میں، اور خراسان میں نصر بن احمد سامانی کی مملکت وجود میں آئیں۔[iii]

اب حال یہ تھا کہ عالمِ اسلام میں تین خلافتیں وجود میں آ گئیں، ایک ہی وقت میں۔ اموی خلافت ہسپانیہ م، یں خلافتِ عبّاسیہ بغداد میں، خلافتِ فاطمیہ مصر، لیبیا، تیونس الجزائر مراکش میں، لیکن 555 ہجری میں خلافتِ فاطمیہ کا اختتام ہو گیا۔ اور 656 ہجری میں خلافتِ عبّاسیہ کا اختتام ہو گیا۔ اب ہوا یوں کہ ہر طاقت ور حاکم خود خلیفہ بن بیٹھا، اور اپنی حکومتِ کے جواز کے لئے کسی کی سند کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔ اسی طرح مغل حکمرانوں نے عبّاسی خلفاء کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور جب فارس میں غازان نے اسلام قبول کیا

تو، سلطانِ اعظم اور سلطانِ الاسلام والمسلمین کالقب اختیار کیا۔ تونس کے حاکم ابو عبداللہ محمد حفصی نے بھی خلیفہ کالقب اختیار کیا۔ ابو عنّان فارس، سلطان علاؤلادین خلجی اور اوزن حسن کرکمانی بھی خلافت کے مدعی ہوے تھے۔[iv]

اس کے علاوہ بلادِ ماورائے النہر میں محمد شیبانی اور مصر کے مملوک سلاطین قانیبائی اور قانصوہ غوری نے بھی اپنی امامت کا دعویٰ کیا۔ بغداد کے سقوط کے بعد خلیفہ کا مفہوم کچھ بدل سا گیا، اب صرف طاقت ور حکمرانوں پر خلیفہ کے کالقب لگنے لگا۔ اور حکمرانوں میں روحانی و مذہبی قیادت کا نہ تو لبادہ رہا اور نہ ہی اس کی روح۔ لیکن بیبرس مملوک فرمان روا ءِ مصر نے ایک بار پھر چاہا کہ اہل مصر کو مطمئن کریں کہ ان کی حکومت کے پاس سند جواز موجود ہے، یہ طریقہ اختیار کیا کہ عبّاسی خاندان کے ایک فرد کو خلیفہ بنایا اور ان کے نام کا خطبہ اپنے نام سے پہلے پڑھوایا۔ دربارِ خلافت سجھایا اور خلیفہ سے سنّد نیابت لی۔[v] سلاطینِ عثمانیہ نے اٹھارویں صدّی عیسویں میں اپنی سیاسی اغراض حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے خلیفہ کالقب استعمال کرنا شروع کیا۔ 1241 ہجری کو سلطان محمود کو تبرکاتِ خلافت کو انکشاریہ کے خلاف استعمال کرنے کا موقع ملا۔ اس نے علمِ نبّوی ﷺ کو نکالا اور اس کی روحانی قوّت سے انکشاریہ کی بغاوت میں ان کا خاتمہ کیا۔[vi]

سلیم اوّل نے بہر حال خلافت کی جملہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کیا۔ لیکن ان کے بعد سلاطینِ عثمانیہ نے نہ تو خلافت کی ذمہ داریوں کا خیال رکھا، اور نہ ہی عالم اسلامی کی کوئی خاطر خواہ صحیح معنوں میں رہبری کی سوائے حرمین شریفین اور جزیرہء عرب کی حفاظت کے، جو کہ ان کی سلطنت کا ہی ایک حصہ تھا۔ عثمانی سلطان حج کی قیادت وسعادت سے بھی بہرہ مند نہ ہوئے جیسے کہ عبّاسی خلفاء کی سنّت چلی آئی تھی۔ لیکن سیّد جمال الدّین کے افکار سے متاثر ہو کر سلطان عبد لحمید نے امت مسلمہ کے اتحاد کے لئے حجاز ریلوئے کی تعمیر کا عہد کیا۔ جس کا مقصد عالم اسلام میں خلافتِ عثمانیہ کا احساس اجاگر کرنا تھا۔ نیز ہندوستان کے علماء وسیاسی راہنماوں نے ترکی کی خلافت کو تسلیم کیا۔ اور اس کے ذریعے مغرب کو مرعوب کرنا چاہا۔ دوسری جانب یورپ خود ترکی کی خلافت کو اپنے لئے خطرہ سمجھتا تھا۔ اور سازشوں کا جال پھیلائے ہوئے تھا، کہ کسی طرح اس کا خاتمہ ہو جائے۔ آخر 1342 ہجری میں مصطفیٰ کمال پاشا نے جمہوریہ ترکی قائم کی اور خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

## عہدِ سلطنتِ عثمانیہ میں مسلم سیاسی مفکرین۔

### شیخ محمد بن عبدالوہاب۔

شیخ محمد بن عبدلوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد التمیمی کی پیدائش 1115 ہجری بمطابق 1703ء عیینہ نامی شہر میں ہوئی۔ یہ شہر ریاض کے شمال میں واقع ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی پرورش علم کی محبت میں ہوئی۔ بچپن سے علومِ اسلامیہ کی تحصیل میں میں مشغول ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم والدِ محترم سے حاصل کی۔ پھر مدینہ جا کر تحصیلِ علوم منقولاتِ شیخ عبداللہ بن ابراہیم مدنی سے کی۔ فہم وفراست اور انفرادیت بچپن سے ہی ان میں موجود تھی۔ قرآنِ کریم حفظ کیا، فقّہ حنبلی، تفسیر القرآن، اور حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ علمِ فقّہ عقائد اور علم الکلام میں ابنِ تیمیہؒ کے افکار سے متاثر تھے۔ انہوں نے ابنِ تیمیہ کی کتب کو اپنے افکار کی بنیاد بنایا۔ ابنِ تیمیہ کے علاوہ ابنِ قیم، ابنِ عروہ الحنبلی اور کئی دوسرے حنبلی مکتبہ فکر کے حامل علماء سے بھی متاثر تھے۔ آپ نے علم کی تلاش میں کئی شہروں کا سفر کیا۔ جن میں مکّہ مکرمہ، مدینہ شریف، بصرہ اور احساء شامل ہیں۔ آپ نے جب اپنے خیالات کا اظہار کیا بلادِ عراق میں تو کئی ازمائشوں سے گزرنا پڑا۔ اس کے بعد آپ نجد تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز نجد سے شروع کیا۔ آپ کی تحریک کا مرکز و محور توحیدِ باری تعالیٰ کی جانب دعوت دینا تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عنِ منکر کا فریضہ ادا کرنا، تعلیم و تعلم، اور ابطالِ شرک، کرنا اور شرک کی مختلف اقسام، اس کے نقصانات سے لوگوں کو آگاہ کرنا تھا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوتِ دین کے بڑے دور رس نتائج برآمد ہوئے آل سعود اسی دعوت کے بل بوتے پر برسرِ اقتدار آئے۔ تحریکِ اخوان نے بڑئے بڑے کارنامے سر کئے عوام وخواص میں مذہبی روح زندہ ہو گئی شیخ محمد بن عبدالوہاب نے بہت سی کتابیں تالیف کیں، جن میں سے مشہور تصانیف درج کی گئی ہیں ، کتاب التوحید، مختصر سیرۃ الرسول ﷺ، مختصر زاد لمعاد، الاصول الثلاثہ وادلتہا، مسائل الجاہلیہ، کشف الشبہات، الخطب المنیرہ، عقیدہ الفرقۃ الناجیہ، اوثق عری ایمان، تفسیر آیات القرآن۔[vii]

**محمد بن عبدالوہاب اور محمد بن سعود کا معاہدہ۔**

محمد بن عبدالوہاب اور محمد بن سعود نے 1157 ہجری میں آپس میں ایک معاہدہ کیا۔اس معاہدے کے تحت امیر محمد بن سعود نے دعوتِ توحید کو وسعت دینے کے لئے اپنی دولت خرچ کی اور افرادی قوّت بھی فراہم کی۔اب محمد بن عبدالوہاب نے بھی اپنی تحریکِ دعوتِ توحید اور ابطالِ شرک وبدعت تیز کر دی۔ محمد بن عبداللہ نے خطوط اور وعظ کو بھی اپنی دعوت کا ذریعہ بنایا۔آپ نے بہت سے رسائل لکھے۔اپنی فکر کو قرآن وحدیث کے دلائل سے مزیّن کیا۔آپ کی دعوت کا مرکزی نکتہ ء نظریہ تھا کہ مسلمان اپنی زندگی سے غیر شرعی رسومات کو نکال باہر کریں، قبر ستی سے گریز کریں، شرک کے تمام ذرائع ختم کریں،اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں۔ دعوتِ توحید کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ پر سکون انداز سے چلتا رہا، دعوتِ توحید دلوں کو مسخر کرتی رہی۔ لیکن بہت جلد انہیں اپنی دعوتِ توحید کے جواب میں بہت سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔اب ان کے نزدیک جہاد کا مرحلہ شروع ہو گیا۔اور برائی کا خاتمہ طاقت سے کرنا ضروری ہو گیا۔امیر محمد بن سعود نے محمد بن عبدلوہاب کو اسلحہ اور افرادی قوّت سے بھرپور مدد دینا شروع کر دیا کہ مجاہدین کے ساتھ مل کر درعیہ سے باہر نکل کر جہاد کریں،اور جزیرہء عرب میں استحکام حاصل کریں۔اس تحریک کے کارکنان اور مخالفین کے درمیان کافی سالوں تک جنگیں ہوتی رہیں۔اکثر کامیابی تحریک کے حصہ میں آئی۔1178 ہجری بمطابق 1773ء میں امیر عبدلعزیز بن محمد بن سعود نے ریاض پر قبضہ کر لیا۔ریاض کی فتح کے بعد ایک بڑا علاقہ محمد بن عبدلوہاب کے زیرِاثر ہو گیا۔عبدالوہاب کے بعد بھی یہ دعوت کا سلسلہ چلتا رہا۔آلِ سعود نے اپنے اقتدار سے ان کی مدد بھی کی۔آلِ سعود نے غالب بن مساعد کو شکست دے کر حجاز کو حاصل کیا۔1803ء کو آلِ سعود مکّہ میں داخل ہوئے شریف غالب جدہ کی طرف نکل پڑے،اس کے کچھ عرصہ بعد مدینہ شریف بھی آل سعود کے زیرِ تسلط ہو گیا۔ برطانیہ کے لئے خطرے کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔ برطانیہ نے اس اقتدار کو اپنے لئے خطرہ محسوس کیا۔پہلا سعودی اقتدار خلیج عرب اور بحرِ احمر تک قائم ہو گیا۔ برطانیہ کے لئے یہ بات قابلِ قبول نہیں تھی کہ اسلامی اصولوں کی پاسداری کرنے والی نئی حکومت طاقت پکڑ لے۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کا اقتدار بڑھتا رہا۔ قواسم اور سعودیوں نے انگریزی بحری بیڑے کو نکال باہر کیا۔سعود بن عبدلعزیز کے دورِ اقتدار میں سعودی سلطنت نے بہت عروج حاصل کیا۔اہلِ یورپ نے سوچا کہ سعودی سلطنت اگر اس طرح برابر ترقی کرتی رہی، تو اس کے نتائج ان کے لئے اچھے نہیں ہوں گے۔ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ مشرق میں ان کے مفادات خطرے سے دوچار ہیں۔انہوں نے سعودی حکومت کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا دیا۔انہوں نے اسلامی علاقوں میں محمد بن عبدلوہاب کی تحریک کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنا شروع کر دیا۔اہل بدعت وشرک محمد بن عبدالوہاب کی بڑھتی ہوئی تحریک کے خلاف آخر کار اٹھ کھڑے ہوئے۔یہ مزاحمت ہمہ جہتی تھی۔اس مزاحمتی تحریک میں وہ علماء بھی شامل ہو گئے جو عوام الناس میں کافی شہرت رکھتے تھے اور بدعتوں اور دیگر رسوم کو بھی دینِ اسلام کا جز سمجھتے تھے۔وہ اس لئے مزاحم ہوئے کہ ان بدعات کی حفاظت کی جائے۔ نیز مزارات کے مجاوروں کی طرف سے کافی مزاحمت سامنے آئی۔وہ سردار بھی مزاحم ہوئے جو نذر ونیاز کے چڑھاوے وصول کرتے تھے۔وہ لوگ بھی مخالف ہو گئے جو موت کی رسومات ادا کرتے ہوئے پیسہ بنا رہے تھے۔[viii] یہ سب مخالفت اس وجہ سے ہو رہی تھی کہ یہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ محمد بن عبدالوہاب ایک نیا دین لے کر آئے ہیں جو اسلامی عقائد سے مختلف ہے۔یہ لوگ سلطنتِ عثمانیہ میں پھیلے ہوئے تھے۔اس مزاحمت نے اس وقت زیادہ زور پکڑ لیا جب اسلام کے دشمن انگریز اور فرانسیوں نے وہ فتوٰیٰ شائع کرائے جنہیں علمائے سوء نے جاری کیا تھا، تاکہ محمد بن عبداللہ کے پیروکاروں کو غلط ثابت ہو جائیں۔ نیز دوسری سازش یہ کی گئی کہ محمد بن عبدلوہاب کی تحریک اور سلطنتِ عثمانیہ کے درمیان غلط فہمی پیدا کی جائے ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیا جائے۔ چنانچہ انگریزوں اور فرانسیوں نے سلطان محمود ثانی کو باور کرایا کہ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا مقصد خلافتِ عثمانیہ سے الگ ہو کر عالمِ عرب میں خود مختار حکومت قائم کرنا ہے۔اور آخر کار سلطنتِ عثمانیہ سے خلافت کا علم حاصل کرنا ہے۔سلطان محمود نے ان باتوں پر یقین کر لیا اور فیصلہ کیا کہ دولتِ سعودیہ اور دولتِ عثمانیہ میں جنگ کرنا لازم ہو گئی۔پروگرام یہ ترتیب دیا گیا کہ جنگ کی ذمہ داری ان کے حلیفوں پر عائد کی جا سکے۔اس سے وہ اپنے مقاصد حاصل کر سکتے تھے۔ یہ کہ سعودی توسیع کا خاتمہ اور اس جنگ سے سعودی کمزور پڑھ جائیں اور سلطنتِ عثمانیہ کے مطیع بن کر رہیں۔سلطنتِ عثمانیہ نے پہلے تو والئی بغداد کو سعودی عرب پر حملہ کرنے کی ترغیب دی لیکن والئی بغداد تو خود اندرونی خلفشاری کا شکار تھا، وہ تو کچھ نہ کر سکا، لیکن شام کو جب یہی کہا گیا، تو اس نے حامی بھر لی۔ لیکن وہ بھی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔اس کے بعد مصر کو یہی کہا گیا۔ تو مصر بھی سعودیوں کے مقابلے کے لئے راضی ہو گیا۔یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں نے خلافت حاصل کرنے کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا، اور نہ ہی خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ نگین ہونے پر اعتراض کیا۔ان کا اختلاف یہ تھا کہ حجاج کرام کے وفود شریعتِ اسلامی کی پابندی کریں،اس بات پر سلطنتِ عثمانیہ کے حکمرانوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ حجازِ مقدس پر وہابیوں کے قبضہ کے سبب سلطنتِ عثمانیہ بے بس ہے۔ان باتوں کو سلطنتِ عثمانیہ کے حکام اپنے لئے باعثِ عار سمجھتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح ان کا رعب ودبدبہ کم ہو جائے گا۔سلطان محمود ثانی چاہتا تھا کہ حجازِ مقدس دوبارہ سلطنتِ عثمانیہ کی حدود میں آجائے، بار بار کی ہزیمت اور شکست کے بعد جب حجازِ مقدس کے علاقوں پر سلطنتِ عثمانیہ کو کامیابی ملی

تو سلطان محمود ثانی نے ایک شاہی حکم نامہ مصر میں ارسال کیا، یہ حکم نامہ حرمین شریفین کی واپسی کے متعلق تھا، حجاز مقدّس خلافتِ عثمانیہ کے زیر نگین رہا، تاوقتیکہ سقوطِ خلافتِ عثمانیہ کے بعد مسلسل اور پے در پے جنگوں کے بعد ابنِ سعود کو کامیابی ملی اور 1932ء میں مملکت کا نام المملکۃ العربیۃ السعودیہ رکھا گیا۔[ix]

## مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک۔

مصطفیٰ کمال کا نام مصطفیٰ اور لقب کمال تھا۔ ترکی زبان میں لفظ پاشا فوجی یا سول افسر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مصطفیٰ کمال کے لئے پاشا کا لقب ان کے فوج کے جنرل کے عہدے کی طرف نسبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اتاترک کا مطلب ہے بابائے ترک۔ جیسے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے لئے پاکستانی قوم بابائے قوم کا لفظ استعمال کرتی ہے۔ ان کی پیدائش 1881ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے ایک شہر سلونیکا میں ہوئی۔ مصطفیٰ کمال نے ابتدائی تعلیم ایک جدید طرز کے سکول شمسی آفندی مکتبی سے حاصل کی۔ 1893ء میں ایک جونیر ملٹری سکول میں داخلہ کا امتحان دیا۔ 1896ء میں اس نے ملٹری ہائی سکول میں داخلہ لیا، یہاں سے فراغت کے بعد اس نے وار کالج میں داخلہ لیا اور 1902 میں ان کی گریجویشن مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کی دمشق میں موجود فوج میں ملازمت اختیار کرلی۔ یہیں پر اس نے ایک انقلابی پارٹی جس کا نام تھا 'وطن و حریت' میں شمولیت اختیار کرلی جو کہ سیاسی تبدیلی کی دعویدار تھی۔ اسی سیاسی پارٹی سے مصطفیٰ کمال نے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف ایک فوجی انقلاب لانے کی تحریک کا آغاز کیا۔ حلاں کہ وہ خود خلافتِ عثمانیہ کا ایک فوجی ملازم تھا۔ مختلف فوجی عہدوں پر ترقی پاتے ہوئے آخر کار 1914ء میں لفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر اس کو ترقی دی گئی۔ 1917ء میں انہیں کور کمانڈر کے طور پر مقرر کیا گیا، لیکن اس نے 8 جولائی 1919ء کو سلطنتِ عثمانیہ کی فوج سے استعفیٰ دے دیا۔ 23 اپریل، 1920ء کو مصطفیٰ کمال نے گرینڈ نیشنل اسمبلی کی داغ بیل ڈالی اور 15 اگست 1921ء کو اس اسمبلی نے اس کو کمانڈر انچیف مقرر کر دیا گیا۔ اس نے اسی عہدے پر رہتے ہوئے یونان سے جنگ کی۔ اس جنگ میں مصطفیٰ کمال نے ان سے ترکی کے سارے مقبوضہ علاقے واپس لے لئے۔ اس نے 3 مارچ 1924ء میں خلافتِ عثمانیہ کو ختم کر دیا اور جمہوریہء ترکی کا اعلان کر دیا، اور اسکا اختیار گرینڈ نیشنل اسمبلی کو دے دیا گیا۔ جمہوریہء ترکیہ نے چار دفعہ لگاتار مصطفیٰ کمال کو صدرِ جمہوریہ چنا۔[x]

## مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک کے افکار و حکومتی اقدامات۔

1923ء میں مصطفیٰ کمال نے ترکی پارلیمان کا افتتاح ان الفاظ میں کیا "اب ہم بیسویں صدی میں ہیں اور ہمیں ایسی کتاب کی اتباع کی ضرورت نہیں جس کے موضوعات تین و زیتون ہیں" آرمسٹرونج مصطفیٰ کمال کے بارے میں اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ مصطفیٰ کمال نے اپنے دوستوں میں کئی بار اس بات کی تکرار کی کہ وہ جمہوریہء ترکی سے دینِ اسلام کی جڑیں نکال باہر کرے گا۔ اس نے یکم مارچ 1926ء میں ایک فوجداری ضابطہ جمہوریہء ترکی میں نافذ کیا جس کی بنیاد اطالوی قانون پر رکھی گئی۔ 14 اکتوبر 1926ء کو ملک بھر میں اسلامی عدالتوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ سوئٹزرلینڈ سے ماخوذ دیوانی قوانیں بھی اسی طرح نافذ کئے گئے۔ قانون بنایا گیا کہ وراثت میں خواتین کے حقوق حضرات کے برابر ہیں۔ اور یہ کہ خواتین کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ مرد کو طلاق دے سکے۔ قانون میں سرکاری ملازمین کے لئے انگریزی ٹوپی پہننا لازمی قرار دی گئی۔ 1928ء میں جمہوریہ ترکی کے آئین سے یہ بات نکال دی گئی کہ ترکی ایک اسلامی ریاست ہے۔ 1929 میں ایک قانون وضع کیا گیا جس کے مطابق ترکی زبان کی تحریر کے لئے عربی رسم الخط ممنوع قرار دیا گیا، اور یہ کہا گیا کہ ترکی زبان کا رسم الخط لاطینی حروف پر مبنی ہو۔ 1929ء میں مروزن کی سیاست میں برابری کا اصول طے پایا گیا۔ مصطفیٰ کمال کے حکم پر عربی زبان میں اذان دینے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ ترکی زبان میں اذان رائج کی گئی۔ اسلامی تہواروں کو ختم کر دیا گیا، حتیٰ کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو بھی فرسودہ رسمیں قرار دیا۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم کو رواج دیا۔ 1924ء میں اوقاف کی وزارت ختم کر دی گئی۔ 1925ء میں اسی قانون کے تحت مساجد کو بند کر دیا گیا۔ 1931ء میں ایک قانون کے تحت مساجد کی تعداد مقرر کر دی کہ اس سے زیادہ مساجد نہ ہوں، لگ بھگ 300 سرکاری خطیب مقرر کئے گئے کہ وہ جمعہ کے دن خطبات میں سرکاری خطبہ دے سکیں، جن میں زراعت، کاری گری، اور سیاست کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔ تصوّف کو ملک سے ختم کرنے پر زور دیا گیا۔ خانقاہوں کو مجسمہ سازی میں تبدیل کر دیا گیا۔ فلم انڈسٹری کو رواج دیا گیا، ہجری تقویم کی جگہ عیسویں تقویم رائج کی گئی۔ تعدد ازواج پر پابندی لگادی گئی۔ مصطفیٰ کمال کے ان اقدامات کو کمال ازم اور اتاترک ازم کہا جاتا ہے۔[xi]

محمد محمد الصلابی اپنی کتاب سلطنتِ عثمانیہ، ترکوں کی مفصّل سیاسی تمدّنی اور تہذیبی تاریخ کے صفحہ ء نمبر 515 میں رقم طراز ہیں۔ "یہودی دائرۃ المعارف میں یہ بات بھی مزکور ہے کہ سلانیک کے بہت سارے یہودیوں نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اتاترک کا تعلق ڈومہ یہودیوں سے ہے، یہی نظریہ ان مسلمانوں کا بھی ہے جو اتاترک کے مخالف ہیں لیکن حکومت اس بات کا انکار کرتی ہے"۔[xii] یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مصطفیٰ کمال مسلم ممالک کے حکمرانوں کے لئے ایک آڈیل نمونہ بن گئے، اس کے بعد ہر نئے آنے والے سیاست دان اور فوجی آمر نے اس اسلوبِ سیاست کو اختیار کیا، نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ مغرب کے استعماری ممالک نے اسلام کے سیاسی غلبہ کے خاتمہ کے لئے اس کے اقدامات کو بطورِ دلیل استعمال کیا۔[xiii]

## سلطنتِ عثمانیہ کے عروج وزوال کی داستان۔

عثمان خان کے عہد میں بازنطین کے علاقے سلطنت عثمانیہ میں شامل کئے گئے۔ سلطان آور خان نے بروصہ اور نکائیہ کا الحاق کیا۔ ریاست قراسی جو کہ پڑوس میں تھی، وہ بھی زیرِ نگیں ہوگئی۔ انکشاریہ (اورینگ چری) کی ایک فوج قائم کی، جو کہ کئی سو سال تک عثمانی فتوحات کا باعث بنی۔ 769ء میں ہلسپانڈ عبور کر کے گیلی پولی کے قلعہ کو مرکز بنا کر سلطنت بانطینی حکومت کی یورپی مقبوضات کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصے میں ایڈریا اور فلپوپولس بھی سلطنتِ عثمانیہ بھی شامل کئے گئے۔ مرٹزہ، اور کسارہ بھی لے لئے۔ مراد ثانی نے ایڈی کے حملوں کو ناکام کیا۔ صلیبی مجاہدوں کو شکست دی۔ اور پھر دو سو سالوں کے دوران ترکی کی فتوحات کی ایک طویل فہرست تیار ہوگئی 855 ہجری میں سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کیا، اور اس کے ساتھ ہی بازنطینی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ 877 ہجری بمطابق 1475ء کریمیہ، کو سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کیا گیا، جزائر ایجین کو بھی شامل کیا گیا، یہاں تک کہ اٹلی کے قلعہ ءٹرنٹو کو قبضہ کر کہ اس پر سلطنتِ عثمانیہ کا پھریرہ لہرانے لگا۔ سلطان سلیم اوّل نے تھوڑے ہی عرصے میں ایران کو شکست دی، اور خرسان و دیارِ بکر کو سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کیا۔ 1517ء میں مصر و شام اور عرب کے وہ علاقے جو مملوک حکمرانوں کے زیرِ دست تھے، وہ لئے گئے۔ سلطان سلیمان اعظم کی فتوحات نے تو سلطان سلیم کے کارناموں کو بھی بھلا دیا۔ 1522ء میں سلطان سلیمان اعظم نے شمال میں بلغاریہ فتح کیا۔ 1526ء میں ھنگری کو شکست دی۔

سلطان سلیمان کے بعد فتوحات کا یہ سلسلہ جاری نہ رہا۔ اگرچہ کچھ جگہ کامیابی بھی ہوئی۔ مگر ساتھ ہی ناکامیوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ 1594ء میں ہی ترکی کا بحری عروج روبہ تنزل ہوگیا۔ اگرچہ بری افواج میں ترکی کو فتوحات بھی ہوئیں لیکن ان کی عظمت و شوکت اہلِ یورپ کی نظر میں نہ رہی۔ 1664ء میں سینٹ گوتھرڈ میں 1674 میں چوک زم میں 1675ء میں لیمبرگ میں جان سوبکی کے مقابلے پر ترکوں کو بدترین شکستیں کھائیں۔ بوسنیا، یونان پر آسٹریا اور وی نیشیا کے کئی حملے کئے۔ 1667 میں زنٹا کی جنگ میں شہزادہ یوجین نے ترکوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ 1699ء میں صلح نامہ کالووئز اور 1718 کے پاس سردونز کے صلح نامہ نے ہنگری، پوڈولیا ٹرینسالوینیا ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ 1736ء میں برلن کے صلح نامہ کے مطابق باطوم روس کے پاس آگیا۔ برطانیہ نے جزیرہء قبرص کو لے لیا۔ روس کے زیرِ اثر رومینیا، سرویا میں سلطنطیں قائم ہوئیں اور مونٹی نیگرو کو آزادی ملی۔ یونان نے تھسلی لیا، آسٹریا نے بوسنیا، ہرزی گونیا لیا۔ 18558 میں ایک نئی حکومت قائم کی گئی، جس کی وجہ سے کہ بالکین کے شمال میں ترکی کا عمل دخل ختم ہوا۔ عبدالحمید کے عہد میں ترکی کے زوال میں مزید تیزی آئی۔ اٹلی نے طرابلس لے لیا، اہل یورب کی ریشہ دوانیوں سے ترکی کے حصے بخرے ہوگئے۔ محمد خامس کے عہد میں عرب بھی گیا۔ یونانیوں نے تھریس پر قبضہ جمایا، قسطنطنیہ پر اتّحادی افواج نے قبضہ کیا۔ سلطنتِ عثمانیہ کی کشتی ڈوبنے لگی۔ یہ وہ وقت تھا کہ دنیا بھر میں مسلمان روبہ زوال تھے۔ مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک نے 3 مارچ 1924ء کو انگورہ میں جمہوریہ ءترکی قائم کر کے خلافتِ عثمانیہ کے خاتمہ کا اعلان کر دیا کر دیا۔[xiv]

## حاصل کلام

خلافتِ عثمانیہ (1299ء سے 1924ء تک) ایک عظیم الشان تُرک مسلم سلطنت تھی جو خلافتِ عباسیہ کے بعد منصّہ شہود پر آئی۔ اپنے عروج کے زمانے میں (16 ویں۔ 17 ویں صدی) یہ سلطنت تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی اور جنوب مشرقییورپ، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کا بیشتر حصہ اس کے زیر نگیں تھا۔ اس عظیم سلطنت کی سرحدیں مغرب میں آبنائے جبرالٹر، مشرق میں بحیرۂ قزوین اور خلیج فارس اور شمال میں آسٹریا کی سرحدوں، سلووا کیہ اور کریمیا (موجودہ یوکرین) سے جنوب میں سوڈان، صومالیہ اور یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ مالدووا، ٹرانسلوانیا اور ولاچیا کے باجگذار علاقوں کے علاوہ اس کے 29 صوبے تھے۔ سلطنتِ عثمانیہ اپنی پیش رو اموی و عباسی بادشاہتوں سے چنداں مختلف نہ

تھی اور اس کی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ قوموں کے عروج وزوال کا قانون سب کے لیے یکساں ہے۔ عثمانی خلافت کہلانے والی سلطنت اپنی اصل میں ایک بادشاہت ہی تھی جس میں اسلام کا عنصر حکم رانوں کی حسبِ منشاء گھٹتا بڑھتا رہا۔ اولوالعزم قائدین اسے اوجِ ثریا تک لے گئے اور نااہل، عیش پرست حکم راں اسے قعرِ مذلت میں گرانے کا سبب بنے۔ عثمانی دور میں مسلم سیاسی فکر میں تنوع پیدا ہوتا رہا جس سے عالم اسلام پر بالخصوص اور دنیا بھر بالعموم گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

## مآخذ وحواشی

---

[i] سلطنتِ عثمانیہ، ترکوں کی مفصّل سیاسی تمدّنی اور تہذیبی تاریخ، ڈاکٹر محمد محمد الصلابی، ص96، مترجم علامہ محمد ظفر اقبال کلیار، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ کراچی، پاکستان۔

[ii] تاریخ ملت، جناب مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی، جلد سوم، ص233۔ ناشر ادارہ اسلامیات، لاہور، 1991

[iii] الفخری، صفحہ نمبر249۔ بحوالہ تاریخ ملت، جناب مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی، جلد سوم، 235۔234۔ ناشر ادارہ اسلامیات، لاہور، 1991

[iv] ایضا، صفحہ نمبر335

[v] مسلمانوں کا نظمِ مملکت صفحہ نمبر115

[vi] النجوم الزہری جلد1 صفحہ718۔

[vii] ایضا، صفحہ نمبر155۔ جلد سوم۔

[viii] ایضا، صفحہ نمبر۔400۔404۔

[ix] تاریخ سعودی عرب، شیخ محمد حیات، صفحہ نمبر260، ناشر مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور1992

[x] تحریکِ تجدد اور متجددین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، ص نمبر80۔85۔ ناشر دار لفکر الاسلامی، 2017۔

[xi] تحریک تجدد اور متجددین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، ص نمبر88۔86۔ ناشر دار لفکر الاسلامی، 2017۔

[xii] سلطنتِ عثمانیہ، ترکوں کی مفصّل سیاسی تمدّنی اور تہذیبی تاریخ، ڈاکٹر محمد محمد الصلابی، ص515، مترجم علامہ محمد ظفر اقبال کلیار، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ کراچی، پاکستان

[xiii] ایضاً ص521۔

[xiv] تاریخ ملت، جناب مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی، جلد سوم، ص214۔218 ناشر ادارہ اسلامیات، لاہور، 1991